عید ایسی بھی ہوتی ہے

فاخرہ گُل

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ناولٹ

فاخرہ گل

عید ایسی بھی ہوتی ہے

میں مرزا سبطین کسی زمانے میں اپنی بیوی سے جنون کی حد تک عشق کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سسر محترم اس رشتے کے حق میں نہیں تھے۔ ہمیشہ کہا کرتے۔۔۔ "جو لڑکے سلیقے قرینے سے بال نہیں بنا سکتے وہ شادی کے بعد بیوی اور اس کے رشتے داروں سے کیسے بنا کر رکھیں گے۔"

نتیجتاً میں ان کے سامنے حاضر ہونے سے پہلے بادام کا تیل لگا کر بالوں کو سنوار نکھار کر خود کو آئینے میں دیکھتا' مجال ہے جو میرا ایک بال بھی مانگ کی سرحد عبور کرکے دوسری طرف ملتا اور پھر میں بادام کا تیل لگاتا ہی گیلے بالوں میں تھا۔ جس سے بال چپک سے جاتے اور ایسے چپکتے جیسے اس زمانے میں لوگ اتوار بازار کے رش میں چپک جایا کرتے۔ لیکن میری یہ کوشش بھی رائگاں گئی کہ اس کے بعد انہیں اعتراض میرے چشمے پر ہوا جو بغیر بتائے ڈھلک جایا کرتا۔ میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد چشمے کی ڈنڈیوں پر ربڑ چڑھائی جوان کے سامنے جاتے ہوئے پہن لیا کرتا۔

تیسرا اعتراض انہیں یہ ہوا کہ میرے پاس معقول رہائش نہیں ہے۔

ظاہر ہے تب میں اکیلا تھا اور چند لڑکوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ شاید انہیں یہ گمان تھا کہ میں شادی کے بعد اپنی بیگم کو بھی اسی مکان میں رکھوں گا۔ میں نے ان کا اعتراض دور کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا کرائے کا مکان لیا تو بولے "ساری" تنخواہ کا نصف کرائے میں دے دو گے تو میری بیٹی کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟"

غرضیکہ میں نے زچ ہو کر ایک دن ان کے برآمدے میں ٹاٹ بچھایا اور بیٹھ گیا۔ وہ بڑے سٹپٹائے اور میری اس حرکت کا مقصد پوچھا تو میں نے بھی ہاتھ باندھ کر بڑے ہی تابعدارانہ انداز میں وضاحت پیش کی کہ "حضور خود کو ہر طرح سے آپ کی پسند کے پیمانے میں ڈھال کر دیکھا لیکن آپ جناب پھر بھی مطمئن نہ ہوئے تو سوچا اس مرتبہ یہ ہے کہ آپ کے دولت خانے کا فقیر ہو جاؤں اور جب اگلے سو پچاس سالوں میں آپ کے معیار پر پورا اتروں تو قبلہ مجھے اپنی فرزندگی بخش کے احسان کے قابل سمجھ لیجیے۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ ان کے بارعب چہرے پر ایک معصوم سی مسکراہٹ کھیلتی نظر آئی۔ اور میں جو یہ سمجھ رہا تھا کہ ان کے چہرے پر شاید ہمیشہ سیمنٹ کا لیپ رہتا ہے' میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اسی وقت ان کا ملازم مالٹوں سے بھرا ٹوکرا سر پر اٹھائے بڑے پھاٹک کے پہلو میں بنے چھوٹے دروازے سے داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے آمنہ بھی تھی۔

منہ میں مالٹے کی ایک پھانک ڈالتے ہوئے اس نے بازو سیدھا کرکے چھلکے ملازم کے ٹوکرے میں رکھے' سارا منظر گویا دھندلا گیا تھا۔ مجھے لگا کہ آمنہ زوم کردی گئی ہے اور زوم کرکے میرے فوکس میں ہے اور جب پہلی مرتبہ میں نے اسے دیکھا تھا تب بھی وہ کوئی فروٹ کھا رہی تھی اور یہی ملازم اس کے ساتھ تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر میری شادی آمنہ سے ہو گئی تو یہ ملازم یقینی طور پر جہیز میں آئے گا لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا یقین ٹوٹ گیا۔

تو میں ذکر کر رہا تھا آمنہ اور ملازم کے اندر آنے کا' اب ذکر بھی کیا کرنا لیکن بتا ہی دیتا ہوں' کہ آمنہ کو دیکھتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ ایسے ظاہر ہوئی کہ میں نے گھبرا کر اپنا چہرہ نیچے کر لیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا

کہ سسر صاحب اس وقت کن انکھیوں سے میرے ہی تاثرات نوٹ کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا خود کو تارک الدنیا ظاہر کرنے کی کوشش میں سر اتنا جھکا لیا کہ میری ٹھوڑی سینے کو چھونے لگی۔ اس دوران مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ آمنہ کہاں تحلیل ہو گئی۔ کیونکہ اندر جانے کا واحد راستہ میرے ٹاٹ کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور میں ٹھوڑی کو اپنے سینے پر ٹکائے شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ چلو آمنہ کے سفید پاؤں ہی دیکھ لوں گا جن میں وہ ہمیشہ ایک موتی کی پازیب پہنا کرتی تھی۔ لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد نہ تو اس کے گزرنے کی کوئی آہٹ ہوئی نہ ملازم کے



بولنے کی آواز آئی تو میں نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔

سسر صاحب اپنی لاٹھی پر ہاتھ رکھے وہیں موجود تھے۔ میرے سر اٹھانے پر بڑی ہی مایوسی سے سرہلاتے ہوئے بولے۔

"آمنہ سے شادی کرنا چاہتے ہو نا تم؟"

میں نے خاموشی سے تائید میں گردن ہلادی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے دیکھا وہ ملازم کے ساتھ باہر سے آرہی تھی؟"

"جی.... جی نہیں.... ہاں جی ہاں جی دیکھا تو تھا لیکن بس سرسری سا۔" سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں اس وقت کون سا جواب خوش کرسکتا ہے' اس لیے میں تذبذب میں تھا۔

"کمال ہے.... یعنی گھر کی عزت ایک ملازم کے ساتھ آرہی ہے' جو میں نے ہی کہا تھا کہ آئے تاکہ میں تمہارا ردعمل دیکھوں اور تم ہو کہ سر جھکالیا کہ بس ٹھیک ہے ملازم کے ساتھ بے شک اندر چلی جائے۔"

"جی.... ؟" میں حیران تھا۔

"کیا تمہیں نہیں چاہیے تھا کہ ملازم سے مالٹوں کا ٹوکرا لے کر خود اٹھاتے اور آمنہ کو اندر تک چھوڑ آتے؟"

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں جو بھی کام کرتا انہیں اس کے الٹ میں ہی خوشی محسوس ہوتی۔ یہ تو صرف آمنہ ہی کی تجویز تھی اور کچھ مجھے بھی اب ضد سی ہو گئی تھی کہ رشتہ لے کر ہی چھوڑوں گا۔ آمنہ کی طرف سے خاص ہدایت تھی کہ کہیں بھی یہ واضح نہ ہو کہ وہ بھی مجھ سے نکاح کی خواہش رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں اپنے والد کی عزت کو اہمیت دیتی تھی اور مجھے بھی اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس کے والد نے رشتے سے انکار کردیا تو وہ ان کے آگے ایک حرف نہیں کہے گی۔ لہٰذا جو کچھ بھی کوشش کرنی تھی وہ میں نے خود ہی کرنی تھی۔ اسی لیے مختلف طریقوں سے راہ ہموار کرنے کی کوششیں کرتا رہا اور باوجود اس کے کہ وہ ہمارے رشتے دار تھے پھر بھی انہوں نے سخت سے سخت آزمائشیں لیں۔

ایک دن فرمانے لگے کہ "چلو مانا میں تمہیں آمنہ کے لیے منتخب کرتا ہوں لیکن اس نے تو آج تک بڑی ہی لاابالی زندگی گزاری ہے کھانے بھی بدمزا پکاتی ہے گھر گرہستی بھی نہیں آتی پھر تم کیا کرو گے؟"

"ارے چچا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میں اسے کھانا بازار سے لادیا کروں گا۔"

اپنے تئیں میرا خیال تھا کہ وہ میری اس بات پر بے حد خوش ہوں گے۔ سراہیں گے اور داد دیں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا' شاید وہ جلدی خوش ہونے والوں میں سے نہیں تھے اسی لیے تیوری چڑھا کر بولے۔

"آمنہ کو تو بازاری کھانے کی عادت ہی نہیں ہے اس طرح تو اس کا معدہ خراب ہوجائے گا۔"

"تو اس کے علاوہ پھر میں کیا کرسکتا ہوں؟" میں سٹپٹایا اور انہوں نے مجھے گھورا۔

"لیکن میں.... میں خود بھی تو پکا سکتا ہوں آمنہ کے لیے وہ جو کھانا چاہے جیسا کھانا چاہے۔" اب وہ مسکرائے ان کی مسکراہٹ میں اطمینان تھا اور ان کے مسکرانے نے مجھے بھی مسکرانے پر مجبور کردیا۔

"تو ٹھیک ہے "آج تم کھانا پکا کر دکھاؤ۔"

"جی؟ میں؟ کھانا؟" مجھے لگا جیسے میرے منہ کا تھوک خشک ہوگیا ہو۔

اب وہ پھر مسکرائے ان کی مسکراہٹ میں اطمینان تھا لیکن ان کے مسکرانے نے مجھے رونے پر مجبور کردیا اور اس سے پہلے کہ میری آنکھوں سے آنسو ڈھلکتے سامنے والے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکا' آمنہ کی ایک جھلک نظر آئی اور پھر ایک سفید کاغذ نمودار ہوا جس پر لکھا تھا "کھانا بن جائے گا۔"

چچا کی کھڑکی کی طرف پشت تھی اس لیے وہ نہ دیکھ پائے البتہ میں نے بازو بلند کیا۔

"کھانا بن جائے گا۔"

چچا خوشی سے لاٹھی کے سہارے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"باورچی خانے میں تمام مسالاجات' گوشت سبزی انڈے سب موجود ہیں جاؤ اور تیاری کرو۔"

"جی بہتر۔۔۔" میں تابعداری سے برآمدے کے کونے میں کھڑا تھا وہ میرا کندھا تھپتھپا کر اندر چلے گئے اور مجھے اس سوچ میں ڈال گئے کہ وہ اپنی بیٹی کے لیے شوہر منتخب کر رہے ہیں یا نوکر۔۔۔ ابھی اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ اندر سے خانساماں بلانے آیا۔

"آیئے اور آکر کھانا بنا لیجیے پھر تاخیر نہ ہو جائے۔"

میں نے کھا جانے والی نظروں سے اس کے پتلے سے منہ کو دیکھا اس کے منہ کے زاویے کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ منہ بند کر کے زبان تالو سے چپکائے کھڑا ہے اس پر اس کے گھنگھریالے بال۔۔۔ مجھے وہ انسان کم اور کھمبی زیادہ لگ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے میں کھانا بناؤں گا؟"

وہ بے چارہ ملازم آدمی تھا۔ خاموش رہا لیکن میں تپ کر پھر بولا۔

"میں یہاں رشتہ لینے آیا ہوں داد لینے نہیں اور یہ جو تم خوش ہو رہے ہو نا کہ اب تمہاری کھانا پکانے سے چھٹی ہو جائے گی تو یاد رکھنا یہ تمہاری بھول ہے۔"

"آپ تو واقعی بڑا پکاتے ہیں۔" خانساماں نے زچ ہو کر لیکن مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی دوران ایک مرتبہ پھر کھڑکی کا پردہ ہلا اور مجھے باورچی خانے جانے کا اشارہ ملا میں فوراً ٹاٹ کے قریب رکھے سیلپر زاڑنے لگا۔

"اماں ابا کو کیا پتا کہ ان کا دور شہر میں نوکری کرتا بیٹا اب زنانہ کام بھی کرنے لگا ہے۔" خانساماں کو دیکھ کر میں نے منہ بسورا حالانکہ دل قابو میں ہرگز نہیں تھا کہ آمنہ نے خود بلایا تھا اور وہ بھی باورچی خانے میں مجھے اس وقت باورچی خانے سے بڑھ کر رومانٹک اور کوئی جگہ معلوم نہیں ہوتی تھی۔

"تم ایسا کرو اصلی سرسوں بازار سے لے کر اس کا تیل نکلوا کر لاؤ۔" میں اندرون خانہ کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔ ارادہ یہی تھا کہ اسے کوئی ایسا کام کہہ دوں کہ دیر تک گھر سے باہر رہے تاکہ میں آمنہ کو بتا سکوں کہ چچا مجھے داماد سے زیادہ ایک سگھڑ نوجوان کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

"لیکن سرسوں کا تیل؟ کتنا؟ کیا نو من؟" وہ نا سمجھی سے اپنے گھنگھریالے بالوں کے بل سیدھے کرنے لگا اور میں نے بھی بے دھیانی میں کہہ دیا۔

"ہاں ہاں کم نہ زیادہ پورا نو من۔ مجھے کھانا پکانے کے لیے ضرورت ہو گی۔"

"تو یوں کہیے ناکہ نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔" وہ مسکرایا۔

"مطلب رادھا نو من تیل میں ناچتی ہے؟ کچھ تو عقل کر لیا کرو۔۔۔ اور اگر تمہارے پاس نہیں تو پاؤ بھر خرید لو۔" مجھے اس کے ترکی بہ ترکی جواب پر غصہ تھا کہ پہلے کیا چچا کم تھے جواب یہ بھی آگیا تھا۔

"اور میں نے کہا ہے ابھی اسی وقت چلے جاؤ یہاں سے ورنہ تمہیں نو من تیل میں نہ نچایا تو میرا بھی نام رادھا نہیں۔"

خانساماں کی ہنسی کا فوارہ پھوٹنے سے مجھے لگا کہ میں کچھ غلط بول گیا ہوں۔

"میرا مطلب ہے میرا نام سبطین نہیں۔"

"جی ہاں آپ کا نام سبطین نہیں کیونکہ آپ کا نام تو رادھا ہے۔" خانساماں جی بھر کر چڑاتے ہوئے اپنے پتلے سے منہ سے مسکرایا تو مجھے قینچی یاد آئی جو بند ہوتی تو پتلی اور کھلتی تو مکمل کھل جاتی یہی حال خانساماں کے منہ کا تھا۔

"اٹھ کر شام کے کھانے کا بندوبست کر لیں وقت نکلا جا رہا ہے۔" ہم دونوں کی بحث سے تنگ آکر آمنہ اب خود برآمدے میں آگئی تھی اور اسے دیکھتے ہی لگا میں حاضر سے غائب کے صیغے میں منتقل ہو رہا ہوں کہ ایک دم خانساماں کا وہاں ہونا یاد آیا۔

"تم ایسا کرو۔۔۔ گرم مسالا ہے نا باورچی خانے میں؟"

"جی جی دار چینی، کڑی پتا، لونگ، کالی مرچ، سوکھا دھنیا، سفید زیرہ، کالا زیرہ، موٹی الائچی، چھوٹی الائچی سب کو جمع کر کے یعنی ملا کر میں نے ایک بڑے ڈبے میں بھر کر رکھے ہیں۔"

"اوہو۔۔۔ یہی تو تم نے غلطی کی ہے ناں یار۔"

خانساماں کی تعریف کرنے کے بجائے میں نے مایوسی سے اپنے ہی ہاتھ پر تالی ماری۔ خانساماں اور آمنہ نے حیرت سے دیکھا۔

"مجھے تو کھانا بناتے ہوئے چاہیے تھا سفید زیرہ اور وہ بھی ایسا جو ایک عرصے تک باقی تمام مسالوں کے ساتھ رہا ہو اس طرح اس سفید زیرے میں تمام مسالوں کی افادیت آجاتی ہے۔" میں نے ایک خواہ مخواہ کا حکیم نامہ کھولا۔

"تو پھر تم ایسا کرو یہاں روشنی میں بیٹھو اور گرم مسالے میں شامل سفید زیرہ ایک ایک چن کر نکالو۔"

آمنہ پیچھے کھڑی اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح مٹھاس اور ملائمت تھی۔ جبکہ خانساماں گم سم کھڑا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں کی کنگھی بنا کر سینے پر ٹکا لیے تھے۔ اس کے ہاتھ اس کے منہ کے بر عکس چوڑے تھے یا شاید زیادہ کام کاج کرنے والوں کے ہاتھ ایسے ہو ہی جاتے ہیں۔

لیکن ایک بات تو طے ہے کہ وہ بہت سیدھا اور معصوم تھا۔ آج کل کے لوگوں کی طرح شاطر یا شک کرنے والا نہیں تھا۔ جبھی تو پانچ کلو کا گرم مسالا پرات میں لے کر بیٹھ گیا اور سفید زیرہ چننے لگا وہ دن یادگار تھا!

میں نے اور آمنہ نے مل کر کھانا بنایا اور تب ہی مجھے مکمل معلوم ہوا کہ واقعی وہ کھانے پکانے کے فن سے نابلد تھی۔ جبکہ میں چونکہ نوکری کے سلسلے میں اماں ابا سے دور تھا لہٰذا کھانا پکانے سے لے کر باقی گھر کے کام بھی کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اس نے میری مکمل مدد کی سبزیوں کو کاٹ کر باقی تمام کام نبٹاتے ہوئے اس کے چہرے پر شرمندگی تھی کہ اس کی وجہ سے مجھے یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔ بار بار کہتی۔

"آپ نے خواہ مخواہ خانساماں کو باہر بٹھا دیا... وہ ہوتا تو سارا کام چٹکیوں میں کر لیتا اور نام آپ کا ہو جاتا۔"

میں اس کے جذبے کی قدر کرتا تھا لیکن اسے کیا معلوم کہ اس کے ساتھ اس کے قریب رہ کر وقت گزارنا میرے لیے کس قدر سکون اور خوشی کا باعث

تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن چچا بہت خوش تھے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد مجھے ٹاٹ لپیٹنے کو کہا تو میں ہونق ہو گیا کہ کہیں گھر سے نکلنے کا تو حکم نہیں... لیکن ایسا نہیں ہوا' انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر کے لیے اپنی چھڑی کو بلا مقصد زمین پر اس انداز میں ہلکا ہلکا مارتے رہے کہ لگ رہا تھا کچھ ٹھوک رہے ہیں۔ پھر گلا صاف کیا اور بولے۔

"جانتے ہو نا آمنہ میری اکلوتی بیٹی ہے' اس کی ماں کے دنیا سے جاتے وقت اس کی عمر چھ سات برس تھی تب سے آج تک میں اس لگن میں رہا کہ اسے کسی طور ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔ ہمیشہ لاڈ پیار دیا اس کے آرام سکون کا خیال رکھا اور اپنی زندگی کا محور بس اسے مان لیا اور وہ بھی ایسے کہ پھر لگا دنیا میں میری بیٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے یا پھر ہے تو میری بیٹی جیسا نہیں ہے۔" وہ چند لمحے رکے۔

"مجھے نجانے کیوں آج وہ بے حد شکستہ محسوس ہو رہے تھے۔ نہ پہلے کی طرح آواز میں رعب محسوس ہو تا تھا حیرت انگیز طور پر نہ ہی مجھے آج ان سے کسی بھی قسم کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا پتا نہیں کیوں لیکن مجھے ان کی آنکھوں میں ایک فریاد نظر آئی' ایسے لگا تھا وہ مجھ سے کچھ مانگ رہے ہیں اور یہ معمہ بھی اگلے ہی لمحے حل ہو گیا۔

"مجھے تمہارے کردار اور تربیت پر کوئی شبہ نہیں لیکن اس کے باوجود جب مجھے پتا چلا کہ تم آمنہ کے لیے پسندیدگی رکھتے ہو تو تم سے چڑنے لگا۔ مجھے لگا جیسے تم میری آمنہ کو مجھ سے دور لے جاؤ گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا دوبارہ اسے کبھی دیکھ نہ پاؤں گا۔ جان بوجھ کر تمہاری آزمائشیں لیں لیکن آخر کب تک؟" رک کر انہوں نے گہرا سانس لیا۔ تھکاوٹ سے بھرپور بوجھل سا!

وہ زمانہ شناس انسان تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خواہش اور جذبات کے بہتے دریاؤں کے آگے بند باندھنے سے پانی چڑھ آتے ہیں... اور وقت پر ان کا نکاس نہ ہو پائے تو طوفان آنے کے خطرات بڑھ جاتے

ہیں۔

اسی لیے آج آمنہ اور مجھے باورچی خانے میں ایک ساتھ کھانے بنانے کے دوران گپ شپ کرتے دیکھ کر یقینی طور پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ اب میری آزمائش ختم ہو جانی چاہیے۔ آمنہ ان کی آمد اور کھڑکی کے پاس چند لمحے رکنے سے بے خبر تھی 'لیکن میری چھٹی حس کہتی تھی کہ وہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا لیکن پھر بھی نہ تو میں نے آمنہ کو بتایا اور نہ ہی خود محتاط ہوا۔ بلکہ جس طرح ان کی آمد سے پہلے ہم دونوں خوش گپیاں کرنے کے ساتھ کام کر رہے تھے بعد میں بھی اسی طرح کرتے رہے اور یقیناً" تبھی انہیں اندازہ ہوا تھا کہ میں اور آمنہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور یہ کہ میرا اصرار کسی یکطرفہ محبت کا نتیجہ نہیں۔

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اپنے اماں ابا کو کہو کہ باقاعدہ رواج کے طور پر آمنہ کا رشتہ لینے آئیں لیکن ایک بات یاد رکھنا بیٹا... میں نے آمنہ کو آج تک اس گھر میں پھولوں کی طرح رکھا ہے۔ تم وعدہ کرو کہ کبھی بھی اسے دکھ نہیں دو گے۔ اسے اتنی محبت دو گے کہ اسے اپنا میکا اور میکے میں موجود تنہا اور بوڑھا باپ بھی یاد نہ آئے۔"

انہوں نے آج پہلی مرتبہ اس طرح مجھے بیٹا کہا تھا' ورنہ بے شک میں ان کے سگے بھائی کا بیٹا تھا لیکن وہ مجھے میرے نام سے ہی بلاتے اور آج خلاف توقع میرے سامنے ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور گردن کا وہ تناؤ جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ آج کہیں نظر نہ آتا تھا۔ انہیں اس کیفیت میں اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا اور میں فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں جا بیٹھا' میرے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر تھے' مجھے لگا جیسے وہ ہلکا ہلکا کانپ رہے ہیں یا شاید شدت ضبط کی وجہ سے وہ اس کیفیت میں تھے۔

"آپ چاہیں تو مجھ سے قرآن پر حلف لے لیں۔ اگر میں نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک بھی آمنہ کو کبھی کوئی معمولی سا بھی دکھ دیا تو بے شک مجھے مجرم قرار دیا جائے۔"

میرے لفظوں اور جذبوں کی سچائی ان کے دل کو چھو گئی تھی جبھی تو ان کے ہاتھ اب میرے بالوں میں تھے۔

"آمنہ میں بچپنا ہے۔ شاید میرے لاڈ پیار نے اسے بڑا ہونے ہی نہیں دیا... ہو سکتا ہے تمہیں تنگ کرے' اپنی منوانے کی عادی ہے۔ لیکن تم نرمی سے سمجھاؤ گے نا تو تمہاری مان جایا کرے گی... میں آمنہ کے ساتھ ایک ملازمہ بھیج دوں گا۔ دراصل اس کے ہاتھوں کو جھاڑو وغیرہ پکڑنے کی عادت نہیں ہے نا ایک دو مرتبہ جھاڑو لگائی تھی ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔ اور ایک خانساماں بھی بھجواؤں گا... وہ دراصل... ایک تو اسے کھانا بنانا نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہ چولہے کے پاس اتنی گرمی میں وہ کیسے تین وقت کھڑی ہوا کرے گی۔"

میں مسکرایا وہ بے حد حساس ہو رہے تھے اور جس ناز و نعم میں انہوں نے اسے پالا تھا تو شاید ہونا بھی چاہیے تھا کہ میں ایک ملازم پیشہ بندہ یقینی طور پر اور چاہنے کے باوجود اسے اس قدر پروٹوکول شاید نہ دے پاتا۔ انہوں نے میری مسکراہٹ دیکھی تو مجھے لگا جیسے وہ شرمندہ ہوئے ہوں۔ پھر خود ہی بولے۔

"کسی کے حوالے اپنی بیٹی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بیٹا' سمجھو تو جسم کا آدھا دھڑ کاٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور اگر پھر بھی کوئی قدر نہ کرے تو سوچو ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں' لیکن میں ایک بار پھر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آمنہ کو خوش رکھوں گا اور کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

"جیتے رہو' خوش رہو... پھلو اور پھولو۔"

ان کی طرف سے اجازت ملنے کی دیر تھی میں نے اماں ابا کے نام خط ارسال کیا کہ وہ کام جو آپ لوگ نہیں کر سکے وہ میں نے کر لیا ہے... اب آیئے اور رسمی کارروائی کریجیے اور وہ بھی چٹ منگنی اور چند مہینوں بعد ہی پٹ بیاہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

کشمیری چائے سی گلابی' چنار کے درختوں کی طرح متناسب اور ہر وقت کھلکھلاتے رہنے والی آمنہ کے آنے سے میری زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ بہت کوشش کی کہ سسر محترم بھی ہمارے ساتھ رہنے لگتے لیکن وہ بیٹی کے گھر رہنے کو اپنی توہین خیال کرتے ہمیشہ انکار کر دیتے۔ البتہ ہم دونوں اکثر اوقات ان سے ملنے جاتے۔ چھٹی کا تمام دن ان کے ساتھ گزارتے۔ ان کے گھر جا کر میں بطور خاص خود کھانا بناتا' صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں اپنے کیے گئے وعدے نبھا رہا ہوں اور صرف دکھاوا انہیں اپنے گھر پر بھی میں خود ہی کھانا بنایا کرتا تھا۔ آمنہ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود ساتھ ساتھ رہتی' پیاز آلو کاٹ دیتی لہسن چھیلتی' برتن دھوتی پھر آہستہ آہستہ اس نے بھی کھانا پکانا سیکھنا شروع کیا اور اتفاق سے جس دن وہ آٹا گوندھ رہی تھی' سسر محترم ہمارے گھر تشریف لے آئے اس نے شاید باورچی خانے سے ہی انہیں آتا دیکھ لیا تھا۔ جبکہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا جوتے پالش کر رہا تھا۔ آمنہ کو پالش کی خوشبو پسند نہ تھی اس لیے میں اس سے کافی فاصلے پر جا کر جوتے پالش کیا کرتا۔

اس روز وہ بوکھلائی ہوئی کمرے میں آئی اور آتے ہی میرے ہاتھ پکڑ کر ان سے برش لے کر پرے رکھا۔ اس کے ہاتھ آٹے میں لتھڑے ہوئے تھے اور اس کے یوں میرے ہاتھ پکڑنے پر اب میرے ہاتھوں پر بھی آٹا لگ گیا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر میرے ہاتھوں پر آٹا لگا رہی تھی۔ پھر مجھے کھینچ کر لے گئی اور آدھ گندھے آٹے میں میرے ہاتھ ڈال دیے۔

"اوہو ہوا کیا ہے تمہیں؟" میں نے اسے یوں بوکھلائے ہوئے ناسمجھی سے دیکھا۔

"اباجی آگئے ہیں' جا کے دروازہ کھولیں میں جلدی سے ہاتھ دھولوں۔" یہ کہہ کر وہ تو باتھ روم میں گھس گئی اور میں ہاتھوں پر لگے آٹے کو دیکھتا تو کبھی پالش کو۔ اسی دوران دروازہ بجا۔ میں نے اسی طرح دروازہ کھولا۔ سسر صاحب مجھے اس طرح دیکھ کر مسکرائے۔ میرا کندھا تھپتھپایا اور اندر داخل ہوتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا اسی دوران آمنہ بھی آن پہنچی سلام دعا کے فوراً "بعد بولی۔

"دیکھیے اباجان.... میں نے کتنی مرتبہ کوشش کی ہے گھر کے کام کرنے کی لیکن یہ کچھ کرنے نہیں دیتے۔ ابھی بھی آٹا گوندھ رہے تھے جب آپ نے دروازہ بجایا۔" اس کی شکایت پر میں نے حیرت سے آمنہ کو اور سسر صاحب نے انتہائی تشکر سے مجھے دیکھا۔

"تم نے جو کہا وہ کر دکھایا.... تم جیسا داماد جو بیٹوں سے بڑھ کر فرمانبردار ہو ملنا یقینی طور پر میری کسی نیکی کا صلہ ہے۔"

"اباجان' سارا دن فارغ بیٹھ کر اوب جاتی ہوں یقین کریں صبح اپنے دفتر جانے سے پہلے سارا گھر صاف کر کے جاتے ہیں مجھے ایک جھاڑو تک پکڑنے نہیں دیتے کہ میرے ہاتھوں پر نشان نہ پڑ جائیں۔"

سسر صاحب کی اس قدر تعریف پر جو میں نے سر جھکا لیا تھا آمنہ کی باتوں سے پھر اوپر کیا اور اسے دیکھا کہ وہ اتنی روانی اور صفائی سے جھوٹ بول رہی تھی.... کیونکہ معاملات اس کے برعکس تھے۔ گھر کی صفائی ستھرائی میرے ہزار ہا مرتبہ منع کرنے کے باوجود وہ خود ہی کیا کرتی تھی اور واقعی اس کے ہاتھ روئی کے گالوں کی طرح اتنے نرم تھے کہ چائے کا بھرا ہوا کپ کچھ دیر کے لیے پکڑے رکھتے تو اس کی نازک انگلیوں پر نشان پڑ جاتے۔ لیکن اس کا حل بھی اس نے جھاڑو پکڑنے کی جگہ پر فوم لپیٹ کر اس پر ربڑ چڑھانے کی صورت میں نکال لیا تھا اور سارا گھر شیشے کی طرح چمکائے رکھتی۔

"لیکن آپ انہیں کہا کریں نا اباجان کہ اب مجھے گھر کے کام کرنے دیا کریں' ورنہ اس طرح تو میں بہت بور ہو جاؤں گی۔" میری طرف دیکھے بغیر اس نے منہ بسورا تو میں نے سسر صاحب کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں نمی سے چمک رہی تھیں اور سلیٹی داڑھی

کانپتی محسوس ہوتی تھی۔ ذرا سے غور کرنے پر مجھے محسوس ہوا کہ شاید ان کے ہونٹ لرز رہے ہیں۔۔۔ لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔

"آپ لوگ بیٹھیں میں ہاتھ بھی دھولوں اور آپ کے لیے ستو کا شربت بھی لے آؤں۔"

"تم ہاتھ دھو کر آجاؤ بیٹا۔۔۔ ستو کا شربت آمنہ بنا لاتی ہے۔" ان کے کہنے پر میں نے حیرت اور آمنہ نے خوشی سے دیکھا اور باورچی خانے کی طرف لپکی۔

سسر صاحب جب بھی آتے وہ اسی طرح اڑی اڑی پھرا کرتی۔ نہ انہیں بٹھانے کی جگہ ان کے قابل معلوم ہوتی نہ کچھ کھانے کی چیز۔ اس کا بس چلتا تو شاید آسمانوں سے کوئی خوان لا کر ان کے سامنے پیش کر دیتی۔ پتا نہیں صرف وہ ہی ایسے کیا کرتی تھی یا تمام لڑکیاں والدین کو سسرال میں دیکھ کر یہ سوچتی ہیں۔ میری کوئی بہن تو تھی نہیں کہ اس کا رویہ دیکھا ہوتا۔ البتہ آمنہ کی اپنے ابا جان سے محبت اور ان کا اس درجہ خیال رکھنے پر میں اپنے گریبان میں جھانکتا۔۔۔ گو کہ میں بھی اپنے والدین سے بے حد محبت کرتا تھا ان کا فرمانبردار تھا لیکن محبت میں جو والہانہ پن آمنہ میں اس کے ابا جان کے لیے نظر آتا وہ مجھ میں بہت کم تھا۔

سسر صاحب ستو کا شربت پی کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ سنگھار میز کے سامنے رکھی کریم اٹھا کر ان کے پاس جا بیٹھی۔ کریم کا ڈھکن کھولا ' اپنی ہتھیلی پر کریم نکالی اور ان کے کنگھی بنے ہاتھوں کو الگ کر کے ان کے منع کرنے کے باوجود ان پر کریم لگانے لگی۔

"کریم کا کوئی فائدہ نہیں ہے بیٹا۔۔۔ یہ سب فضول چیزیں ہیں۔"

"آپ اب باقاعدگی سے ہاتھوں پر کریم نہیں لگاتے نا۔۔۔ دیکھیں کتنے کھردرے اور خشک ہو گئے ہیں پہلے تو کبھی ایسے نہیں تھے۔" وہ ان کے ہاتھوں پر کریم لگاتے ہوئے افسردہ ہو گئی۔

"دراصل وضو کرنا ہوتا ہے نا' تو وضو کے بعد میں سستی کر دیتا ہوں۔" انہوں نے اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے لیکن آمنہ نے دونوں ہاتھوں میں لے کر ہتھیلی اور پشت پر کریم کا مساج شروع کر دیا تھا لہٰذا انہیں اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑنے پڑے۔

میں اس کا پیار دیکھ رہا تھا اور خود مجھے اس پر پیار آ رہا تھا۔

"اور یہ آپ کے کرتے کا بٹن ڈھیلا ہو رہا ہے ' خانساماں نے استری کرتے ہوئے دیکھا نہیں؟"

"یہ تو جانے کتنے عرصے بعد میں نے پہنا ہے۔ الماری میں جیسا ٹنگا تھا ویسے پہن لیا۔"

"ایک منٹ۔۔۔ میں ابھی دھاگا لا کر اسے مضبوط کر دیتی ہوں ورنہ رستے میں کہیں گر گیا تو کھلا گریبان گھر جانے تک بہت برا لگے گا۔" وہ پھرتی سے اٹھی اور دوسرے کمرے میں رکھے ڈبے سے سفید دھاگا اور سوئی لے آئی اور بٹن مضبوط کرنے لگی۔

سسر صاحب اب کسی مودب بچے کی طرح بیٹھے تھے۔ آمنہ کا سر ان پر جھکا ہوا تھا اور وہ ایسے لگتا تھا جیسے صرف بٹن نہیں اپنی محبت بھی مضبوط کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد بٹن سے دھاگا الگ کر کے اٹھی تو بھی اس کی باتیں جاری و ساری تھیں۔ میکے کی گلیوں تک کے حال احوال سن کر خوشی سے اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ میں بھی وقتاً فوقتاً ان کی باتوں میں حصہ لیتا اور جب کھانے کا وقت قریب ہوا تو میں اٹھنے ہی والا تھا کہ سسر صاحب نے ہاتھ پکڑ مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ لحہ بھر خاموش رہے اور پھر میرا ہاتھ چوم کر اپنے آنکھوں سے لگا لیا۔

"تم نے مجھے فتح کر لیا ہے۔ واقعی مجھے اعتراف ہے کہ اس دنیا میں تم سے بڑھ کر اور کوئی بھی آمنہ کو اس قدر خوش نہ رکھ پاتا۔ تم نے اپنے الفاظ اور میری امید کی لاج رکھ لی۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔" ان کے اس قدر ممنون ہونے پر میں شرمندہ ہو گیا تھا لہٰذا اپنا ہاتھ آہستگی سے ان سے چھڑوایا اور بولا۔

"یہ صرف میرا کارنامہ نہیں ' بلکہ میرا شرعی اور قانونی فرض ہے کہ اپنی بیوی کو خوش رکھوں۔ پھر آپ سے وعدہ بھی مجھے یاد تھا اس لیے کوشش تو ہمیشہ یہی کی کہ اسے یا آپ کو مجھ سے کوئی بھی شکایت ہو۔"

"آمنہ... گھر کے کام کاج میں سبطین کے ساتھ مدد کیا کرو' کھانا بنانا بھی سیکھو اور گھر کو سنبھالنا بھی' کیونکہ ایک عورت مکمل ہی تب ہوتی ہے جب وہ گھر گرہستی کے تمام امور سمجھنے لگے۔" آمنہ کو اس سے بڑھ کر کیا چاہیے تھا۔ فوراً" بولی۔

"کوشش تو کرتی تھی اباجان... لیکن یہ کبھی کچھ کرنے ہی نہیں دیتے تھے۔ اب آپ نے کہہ دیا ہے نا تو پھر یقیناً" یہ مجھے منع نہیں کریں گے۔"

یہ اور اس طرح کے کئی جھوٹ پتا نہیں وہ کیوں بولا کرتی تھی۔ گو کہ ان میں کسی کا فائدہ یا نقصان نہ ہوتا لیکن مجھے لگتا اس کا مقصد صرف میری تعریفیں کروانا ہوا کرتا تھا۔ وہ خوبیاں جو کبھی مجھ میں تھی ہی نہیں وہ بھی بیان کرتی رہتی۔

✡ ✡ ✡

ہماری شادی کے تیسرے سال سسر صاحب انتقال کر گئے تو اس کی حالت دیکھنے لائق تھی۔ سفید ہونٹ پپڑی زدہ ہی رہتے۔ ہفتوں تک تو اسے اپنے کھانے پینے کا نہ ہوش رہا اور نہ ہی طلب میں ہی بڑی زبردستی اسے کھلایا کرتا لیکن مجھے بھی محسوس ہوتا کہ وہ لقمے کس مشکل سے نگل رہی ہے۔ لٹلا انتہا جتنا" گال جو ہمیشہ پھولے ہوئے میرے ہوا کرتے اب پچکے سے لگنے لگے۔ آنکھوں کی ویرانی الگ دل دہلایا کرتی۔ اور میں جس نے شادی کے تین سال تک اولاد کی خواہش نہیں کی تھی۔ اسے زندگی کی طرف واپس لانے کے لیے اس کے سامنے اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ جس پر پہلے پہل تو وہ ہکا بکا ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی تو اس کی آواز میں شرمندگی تھی۔

"معذرت چاہتی ہوں کہ میں نے آج تک آپ سے اسی لیے ذکر نہیں کیا کہ شاید آپ کو دلچسپی نہیں ورنہ یہی خواہش تو خود میرے دل میں بھی سر اٹھانے لگی ہے۔"

"ارے تو پھر دیر کیسی ہم کسی اچھی ڈاکٹر سے مشورہ کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے پہلے تم خوب بہترین ڈھنگ سے کھانا پینا شروع کرو تاکہ کچھ تو جان بنے۔"

سسر صاحب کے انتقال کے ہفتوں بعد اس دن ہم نے بہت سی باتیں کی تھیں۔ دیر تک اپنے ہونے والے بچے کے نام سے لے کر اس کے لیے کی جانے والی شاپنگ کی دکانوں تک کو نوٹ کیا تھا۔ اسے قلق تھا کہ اس کے اباجان ' نانا بننے کی خوشی محسوس کیے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔ لیکن جیسے ہی وہ ان کا ذکر کر کے اداس ہونے لگتی اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگتیں میں موضوع دوبارہ بچے کی طرف لے آتا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی پہلی اولاد بیٹا ہو۔ جبکہ میری دعا تھی کہ بیٹی ہونی چاہیے کیونکہ میں بھی بیٹیوں کا پیار محسوس کرنا چاہتا تھا۔ آمنہ اور اس کے اباجان کے درمیان جو تعلق میں نے دیکھا تھا اور ان کی محبت کا جو مشاہدہ میں نے کیا تھا میں چاہتا تھا کہ میری بیٹی بھی میرے ساتھ وہی تعلق رکھے لیکن ابھی شاید منزل آسان نہ تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد نوید سنائی تھی کہ ہم دونوں تندرست ہیں اور تاخیر بے شک ابھی نصیب میں ہے لہٰذا اپنی سی کوشش کرلیتے ہیں... تب بے اولادی کے لیے اتنے زیادہ علاج معالجے کی سہولت بھی نہیں تھی لیکن جو ہو سکا اور جتنا ہو سکا۔ ہم دونوں نے کیا اور اپنے تئیں سب کچھ کر کے پھر آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے کہ مولا ہم تو جو کر سکتے تھے ہم نے کیا اب صرف تیری طرف سے "کن" کا انتظار ہے۔"

آخر کار شادی کے پورے آٹھ برس بعد ہماری سنی گئی اور ہم دونوں ایک پیاری سی بیٹی کے والدین بن گئے۔ علیزے ہو بہو آمنہ پر تھی' وہی نین نقش' اتنی ہی اجلی رنگت اور وہی عادتیں۔ آمنہ بتایا کرتی کہ وہ بھی بچپن میں ایسی ہی تھی۔ دونوں میں مماثلت بھی اس قدر تھی کہ اگر آمنہ نے چھ مہینے کی عمر میں بیٹھنا شروع کیا تو علیزے نے بھی ایسا ہی کیا۔ آٹھ مہینے کی عمر میں دونوں نے ہی چلنا شروع کر چکی تھیں اور ایک برس کی عمر میں... دونوں کی والدہ اس دنیا میں نہ رہیں۔

میری آمنہ علیزے کی پہلی سالگرہ سے پہلے ہی اس دنیا سے چلی گئی تھی۔ اور یہ موت کے ساتھ میری

زندگی کا پہلا ٹکراؤ تھا۔
مجھے اس دکھ کی سمجھ ہی نہ آئی کہ یہ میرے ساتھ ہو کیا گیا ہے۔ مجھے تو لگتا شادی کے بعد سے لے کر اب تک آٹھ برس ایک حسین خواب تھا جو ایک دم ہی ٹوٹ گیا ہے اور خواب سے حقیقت تک پہنچ جانے کا غم ایسا غم ثابت ہو رہا تھا کہ میں مکمل ہوش و حواس کے ساتھ باقاعدہ عقل و فہم سے دنیا کے تمام معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن کامیاب نہ ہو پاتا۔
کبھی لگتا آمنہ کے ساتھ میں بھی مر چکا ہوں اور اب میرے اندر زندہ رہنے کی کوئی خواہش ہے نہ رمق ... اور واقعی دل سے خواہش مر جائے تو بعض اوقات بندہ مر ہی جاتا ہے۔ جسمانی طور پر نہ سہی، لیکن ذہنی اور روحانی طور پر ... اور یقیناً" میں مر ہی جاتا اگر علیزے کے ننھے ننھے ہاتھ میرے چپ ہونے پر میرے چہرے کو نہ ٹٹولتے اگر میرے کان اس کی قلقاریاں نہ سنتے اور اگر آنکھیں روتے روتے مجھے دیکھ کر پرسکون نہ لگنے لگتیں۔
مجھے لگتا جیسے سسر صاحب کی وفات کے بعد میں نے آمنہ کے زندگی کی طرف لوٹنے کے جتن کیے تھے تبھی علیزے بھی اسی طرح کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی جیسے میں کرتا تھا۔ اماں ابا نے مجھے دوسری شادی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی مجھے سمجھایا کہ ایک لڑکی میری زندگی میں آئی تو وہ مجھے سنبھال لے گی اور علیزے کو بھی ماں کا پیار دے گی۔ لیکن میرا دل نہ مانتا ۔علیزے کو وہ آمنہ کی طرح کبھی بھی نہیں پالے گی، وہ خواہ کوئی بھی ہو اور اگر کل کو بچے ہو گئے تو علیزے کی اہمیت دوسرے درجے پر آجائے گی اور یہی میں نہیں چاہتا تھا۔
والدین اور اولاد دونوں سگے ہوں تو ہی محبت بے لوث ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت میں گلے شکوے اور محرومیاں کبھی نہ کبھی ضرور رہنے لگتی ہیں اور میں اپنی علیزے کی آنکھوں میں کوئی محرومی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنی زندگی علیزے کے لیے وقف کر دوں گا بالکل اسی طرح جیسے سسر صاحب نے آمنہ کے لیے کر دی تھی اور پھر یہی ہوا ....
میں اور علیزے ایک دوسرے کی خاطر جیتے رہے اور وقت کی تھالی پھرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

علیزے اتنی جلدی بڑی ہو جائے گی کہ مجھے اس کی شادی کا سوچنا ہو گا یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور شاید اب بھی نہ سوچتا' اگر علیزے ایک روز خود مجھے یہ نہ بتاتی کہ اس کا کلاس فیلو ہادی اس کے رشتے کے لیے اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجنا چاہتا ہے۔
ظاہری طور پر تو میں نے اس کی آنکھوں میں اترتے رنگوں کو دیکھ کر اجازت دی اور کہا کہ ہادی کو کہو بے شک کل ہی اپنے والدین کو لے آئے لیکن یہ میں ہی جانتا ہوں کہ ساری رات نیند کیسے میری آنکھوں سے دور رہی۔ کیا علیزے چلی جائے گی؟ بارہا خود سے سوال کرتا۔
فکر مجھے اپنے اکیلے رہ جانے کی نہیں تھی بلکہ میرا دل اس لیے گھبرا رہا تھا کہ کیا واقعی کوئی میری علیزے کا اس قدر خیال رکھ پائے گا جتنا آج تک میں نے رکھا تھا۔ جس طرح میں نے اسے پھولوں کی طرح پروان چڑھایا تھا تو کیا کوئی اور بھی اسے اتنا ہی سنبھال کر رکھے گا؟
اور تب مجھے یاد آیا کہ سسر صاحب بھی آمنہ کا رشتہ دیتے وقت کس قدر تذبذب کا شکار تھے اور باوجود اس کے کہ میں ان کے سگے بھائی کا بیٹا تھا دیکھا بھالا تھا پھر بھی وہ میرے بارے میں سو فیصد یقین نہیں رکھتے تھے کہ میں آمنہ کا اس حد تک خیال رکھوں گا اور یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ دیکھا بھالا یا جان پہچان ہونا دور فی الحال تو مجھے اس کے نام کے علاوہ کچھ اور معلوم ہی نہ تھا۔ میں نے دیکھا تھا تو صرف وہ پیار' جو علیزے کی آنکھوں میں اس کے لیے تھا اور حیرت انگیز طور پر میری طرف سے اجازت ملنے کے چند روز بعد ہی ہادی

اپنے ماں باپ کو ہمارے گھر لے آیا۔

علیزے کی کیفیت اس دن عجیب سی تھی۔ کبھی گنگناتی، کبھی ہنستی اور کبھی میرے گلے لگ کر رونے لگ جاتی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے آنسو میرے لیے زہر بجھے تیر کا کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ میرے سامنے روتی تو میں اپنی آنکھوں میں آئے آنسو پیچھے دھکیل کر اسے چپ کروانے میں لگ جاتا اور بڑے ہی اوپری دل سے اسے سمجھاتا کہ زندگی کا کیا اعتبار اس لیے بہتر ہے کہ میں اس کا فرض ادا کر کے پرسکون ہو جاؤں۔

اس دن ہادی کے والدین سے ملاقات میرے لیے بھی ایک خوشگوار موقع تھی کہ ہادی کے والد سے پرانی واقفیت نکل آئی۔ ہم دونوں نہ صرف ایک دوسرے کو بلکہ ایک دوسرے کے گھرانوں کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ جس روز انہوں نے آنا تھا اسی دن صبح میں نے علیزے کو اپنے سامنے بٹھا کر اس سے پوچھا تھا کہ ”اگر ہادی یا اس کے گھر والے مجھے پسند نہ آئے یا ان سے مل کر میرا دل مطمئن نہ ہوا تو کیا میں انکار کرنے کا حق رکھتا ہوں؟“

میری بات سن کر علیزے رو پڑی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور مجھے لگا کہ وہ جیسے بھی لوگ ہوں گے مجھے ہاں کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کرنی کیونکہ علیزے کی اسی میں خوشی ہے لیکن چند لمحے رونے کے بعد وہ بولی۔

”ابو.... میرے لیے آپ کی خوشی سب سے بڑھ کر ہے۔ جس طرح آپ انسانوں کی پرکھ کر سکتے ہیں، میں نہیں کر سکتی اور ویسے بھی آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمارے گھر رشتہ اس لیے لا رہا ہے کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں.... ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اس نے مجھے دوستی کی آفر کی جسے میں نے ریجیکٹ کر دیا تو اس نے پوچھا کہ اگر میں اپنے والدین کو رشتے کے لیے بھیجنا چاہوں تو؟ جس پر میں نے کہا کہ ابو کا فیصلہ ہی فائنل ہوگا آپ والدین کے ساتھ آجائیں اگر میرے ابو مطمئن ہوئے تو ٹھیک ورنہ میں اس طرح کی دوستیوں کی قائل نہیں۔“

علیزے نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا تھا میں نے نم آنکھوں کو پونچھتے ہوئے اس کے بھی آنسو صاف کیے۔

”آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کی خوشی پر کسی اور کی محبت کو فوقیت دوں گی؟ میں صرف اور صرف آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں ہر قیمت پر۔“

اور پھر جب میں ان سے ملا تو اس مان کے ساتھ کہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ انکار اور اقرار کا اختیار مکمل طور پر میرے ساتھ ہے۔ میں ان کو جانتا تو تھا ہی لہٰذا ہاں کر دی۔ وہ بھی اتنے عرصے بعد مجھ سے ملتے ہوئے، بہت خوش تھے اور یوں میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر دیا۔

علیزے کے علم میں لائے بغیر میں نے ہادی کے متعلق تمام معلومات بھی لی تھیں اور سب نے ہی بتایا تھا کہ اس میں ظاہری طور پر کوئی ایسی برائی یا خامی نہیں جس کی بنا پر یہ رشتہ قبول نہ کیا جائے! لہٰذا رشتے کے لیے ہاں تو کر دی لیکن پھر انہوں نے منگنی اور بعد میں شادی کے لیے اصرار شروع کر دیا تو ایک بار پھر میرے ہاتھ پاؤں پھولتے ہوئے محسوس ہوئے بھلا اتنی جلدی تو میں علیزے کو کبھی بھی خود سے دور نہیں کر سکتا تھا اور ان کا یہ اصرار تھا کہ آئے دن بڑھتا ہی جا رہا تھا وجہ بھی تو یہ کہ انہیں اپنی بیٹی کی شادی کرنا تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مہنگائی کے اس دور میں اگر بیٹا اور بیٹی ایک ساتھ بیاہے جائیں تو ان کے لیے یوں بھی آسانی ہوگی کہ اگر بیٹی کسی کی بہو بن کر جائے گی تو بہو ان کی بیٹی بن کر آجائے گی۔ اور ان پر بیٹی کے سسرال والوں کا بھی دباؤ تھا۔

ان کی مجبوری بجا تھی لیکن میں اپنے دل کا کیا کرتا۔ علیزے کے بعد خالی ہاتھ رہ جانے کا قلق تو مجھے تھا ہی لیکن اتنی جلدی، شاید میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اسی لیے ٹینشن سے بیمار پڑ گیا، اور علیزے بے چاری تو جیسے کملا کر رہ گئی۔ اپنی تمام تر مشاغل ترک کر کے اب وہ ہر وقت میرا جی بہلانے کی کوشش میں لگی رہتی تو

مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگتا کہ میں کیسا باپ ہوں بھلا صرف اپنے دل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ظاہر ہے پیا آنگن جانے کا خواب تو علیزے کا بھی ہو گا نا جسے میں صرف اپنے پیار محبت میں ٹال رہا ہوں۔
اس رات میں تقریباً" جاگتا ہی رہا تھا۔ اٹھ کر اپنی وارڈ روب کھولی اندرونی سائڈ پر عید' سالگرہ اور نئے سال کے موقع پر علیزے کے ہاتھ سے لکھے کارڈز چسپاں تھے۔ اور یہ اس نے خود ہی چسپاں کیے تھے۔ میں دیر تک ان کے سامنے کھڑا اس کے ہاتھ سے لکھے ایک ایک کارڈ کو پڑھتا رہا۔ اور میرے دل پر بوجھ میں اضافہ ہوتا رہا۔

"پروردگار تو نے مجھے صرف علیزے دی اور مجھ سے میری آمنہ لے لی.... لیکن میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا تیرے دیے پر راضی رہا۔ لیکن کہنا صرف یہ چاہتا ہوں مولا کہ علیزے اکیلی ہے۔ اس کا میرے سوا نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی۔ اسے کوئی دکھ نہ دینا.... جب تک میں زندہ ہوں وہ مجھ سے ہمیشہ کی طرح اپنی چھوٹی بڑی بات شیئر کرے گی لیکن میرے مرنے کے بعد اگر اسے کوئی دکھ ملا تو رونے کے لیے کس کا کندھا ڈھونڈے گی.... بہنیں ایک دوسرے کا دکھ بانٹتی ہیں اور بھائی ان دکھوں کا مداوا کرتے ہیں۔ لیکن میری علیزے تو میرے بعد اکیلی رہ جائے گی نا۔ اسے اتنی خوشیاں دینا کہ شادی کے بعد میں زندہ رہوں نہ رہوں لیکن اسے کبھی یاد نہ آؤں.... میرے پاک رب میری بیٹی کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی مشکل یا پریشانی نہ لکھنا کہ مجھے یاد کرکے میری کمی محسوس کرکے روئے۔"

اس رات میں ان کارڈز کو دیکھ کر اپنے خدا سے دعائیں مانگتا رہا اور روتا رہا۔

آمنہ بھی بے حد یاد آئی اور سسر صاحب کی آمنہ سے والہانہ محبت بھی اب سمجھ میں آئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری رخصتی پر بینڈ والوں نے دھن بجائی اور پیشہ ورانہ گائیکوں نے بھیگی آواز کے ساتھ گانا گایا تو ہر آنکھ اشک بار ہو گئی تھی۔

بابل کی دعائیں لیتی جا' جا تجھ کو سکھی سنسار ملے
میکے کی کبھی نہ یاد آئے' سسرال میں اتنا پیار ملے

آمنہ سمیت سبھی رو رہے تھے۔ اور پھر اچانک سسر صاحب غش کھا کر گر پڑے۔ اس وقت جب میں نے آمنہ کو برق رفتاری سے سسر صاحب کی طرف لپکتے اور اپنے دلہناپے کی پروا کیے بغیر خود بھاگم بھاگ پانی لاتے دیکھا' تو حیران رہ گیا کہ آدھے گھنٹے پہلے گھونگھٹ نکالے چھوئی موئی سی آمنہ کو اب نہ تو یہ یاد رہا تھا کہ وہ دلہن ہے نہ گھونگھٹ کی پروا تھی اور نہ ہی رخصتی کے وقت اوڑھائے جانے والی بڑی سی چادر کی فکر کہ وہ پاؤں میں پڑی ہے۔

بس خیال تو تھا یہ کہ سسر صاحب کسی طرح جلد از جلد ہوش میں آجائیں۔ ساتھ ساتھ وہ خود بھی رو رہی تھی اور جب انہیں ہوش آیا تو ان کے گلے لگ کر ایسی روئی کہ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی اور پھر خود ہچکیاں لے کر روتی جاتی اور انہیں تلقین کرتی کہ نہ روئیں۔

وہ زمانہ ایسا ہی تھا۔ جب لڑکیوں کی رخصتی کے وقت دلہن سمیت سارے گھرانے کی آنکھوں میں آنسو ہوتے۔ آج کل کی طرح میک اپ بچانے کا کوئی نہیں سوچتا تھا۔ خود آمنہ بھی جب ہمارے گھر پہنچی تو اس کی آنکھوں کا کاجل اس حد تک پھیل چکا تھا کہ اس کی آنکھوں پر پانڈا کی آنکھوں کا گمان گزرتا۔

آمنہ کو یاد کرکے میں مسکرانے لگا تھا۔ پھر رات کے پچھلے پہر جب صبح دبے پاؤں ظاہر ہونے کو بے تاب تھی میں علیزے کے کمرے میں گیا وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔

دیواروں پر جابجا مجھ سے محبت کے اظہار کے طور پر میری اور اس کی تصاویر تھیں' وہ کارڈ تھے جو میں اس کی سالگرہ عید اور نئے سال کی رات کو اس کے تکیے کے نیچے اس انداز میں رکھ دیا کرتا تھا کہ آدھا باہر ہی نظر آتا۔ اور یوں صبح اٹھتے ہی اس کو مل جاتا۔ سالگرہ ہوتی یا عید اس پر اسے میری طرف سے ہمیشہ ہی کسی خاص تحفے کا انتظار رہا کرتا۔ صرف عیدی سے بہلنے والوں میں وہ نہیں تھی اور میں بھی ہمیشہ پہلے سے اس کا گفٹ لاکر چھپا کر رکھ دیتا اور جب اسے پورا یقین ہو

جاتا کہ اس سالگرہ یا عید پر اس کے لیے میں کچھ خاص لانا بھول گیا ہوں تو پیش کر دیتا۔ اس لمحے اس کے چہرے کی خوشی انوکھی اور منفرد ہوا کرتی تھی۔ ابھی میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے مسکرا ہی رہا تھا کہ اس نے بڑے ہی آرام سے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر مجھے چونکا دیا۔

"تم جاگ رہی ہو؟" میں ایک دم ہڑبڑا گیا تھا۔

"آپ بھی تو آج ساری رات سے جاگ رہے ہیں نا۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

میرا اور اس کا کمرہ ایک دوسرے کے مکمل سامنے نہیں بلکہ ذرا ترچھی سائیڈ پر تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ ہمیشہ رات کو اور دن میں بھی کھلا رہتا جبکہ علیزے کا دروازہ رات کو آدھا کھلا رہتا اور میرا خیال ہے کہ اس رات میرے کمرے کی جلتی روشنی نے اس کے ادھ کھلے دروازے سے میرے جاگتے رہنے کا پیغام دیا تھا۔

صبح ہونے میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پہلے ہم دونوں آمنہ کی باتیں کرتے رہے پھر میں نے اسے بتایا کہ ہادی کے والدین اس کی بہن کی شادی بھی ایک ساتھ کرنے کی خواہش میں جلدی تاریخ مانگ رہے ہیں اور چھ ماہ پہلے کیا اور بعد میں کیا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انہیں تاریخ دے دوں۔ اس نے ہمیشہ کی طرح بغیر کسی بحث کے میری بات پر سر جھکا دیا۔ مجھے ڈھیر ساری ہدایات دیں کہ مجھے اس کے بعد کس طرح زندگی گزارنی ہے میں مسکراتا ہوا بس سنتا بیٹھا رہا۔

اس کا کہنا تھا کہ جیسے میں اور آمنہ اپنا ویک اینڈ اس کے نانا کے پاس گزارتے تھے اسی طرح وہ بھی ہادی کو بتائے گی کہ میں پورا ہفتہ اکیلا رہا ہوں لہٰذا وہ دونوں بھی ویک اینڈ یہاں پر میرے ساتھ گزاریں گے اور تب وہ پورے ہفتے کا نہ صرف کھانا بنا کر فریز کر جایا کرے گی بلکہ لانڈری اور استری وغیرہ بھی کر دیا کرے گی۔

میں اس کی تمام باتوں میں ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سجے سہانے خوابوں کی تکمیل کی دعا کرتا رہا اسی دوران صبح ہوئی اور ہم دونوں فجر کے لیے اٹھ گئے۔

عید کے فوری بعد اس کی شادی کی تاریخ طے کی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

رمضان کا بابرکت مہینہ آغاز ہو چکا تھا۔ سخت گرمی بھی تھی اور شاپنگ کے ساتھ ساتھ باقی تیاریاں بھی کرنی تھیں۔ دن میں تو میں آفس میں ہوتا لہٰذا روزہ افطار کرنے کے بعد ہم دونوں باپ بیٹی نکلتے تو رات گئے تک شاپنگ کیا کرتے۔ عید کی وجہ سے ویسے بھی مارکیٹس میں رش تھا۔ میں ایک ایک چیز اس کی پسند کی لینا چاہتا تھا اور عین اس روز جب شام کو میں نے اور علیزے نے فرنیچر پسند کرنے شوروم پر جانا تھا ہادی کی ماں کا فون آگیا۔

وہ سحری کا وقت تھا۔ علیزہ باتھ روم میں تھی اور میں سحری تیار کرنے میں مصروف تھا۔ ان کا فون آیا تو چولہے کی آنچ ہلکی کر کے پراٹھے پر مکھن لگایا اور اس کی سائیڈ بدل دی۔

"معذرت چاہتی ہوں آپ کو اس وقت فون کیا۔۔۔ لیکن دراصل واضح یہ کرنا تھا کہ جہیز کے نام پر آپ علیزے کو کچھ بھی دینے کا اگر سوچ رہے ہیں تو یہ خیال دل سے نکال دیجیے۔"

"جی؟ یہ کیا بات ہوئی؟ بھئی میرا علیزے کے سوا اور ہے ہی کون؟ اسے نہیں دوں گا تو اور کسے دوں گا؟ اور پھر میری بیٹی کیا خالی ہاتھ جائے گی؟" میں جذباتی ہو گیا تھا پر اٹھا سنہری ہونے پر ہاٹ پاٹ میں رکھا اور وقتی طور پر چولہا ہلکا کر کے فرائنگ پین ہٹایا اور خود کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر پورے دھیان سے ان کی بات سننے لگا۔

"آپ کی تمام باتیں بجا ہیں اور میں آپ کے جذبات کو بخوبی سمجھتی ہوں لیکن علیزے ہماری بھی تو بیٹی ہے نا اور ویسے بھی ہم جہیز کی رسم کے سخت خلاف بھی ہیں۔"

"میں آپ کی تمام باتیں مانتا چلا آرہا ہوں لیکن معافی چاہتا ہوں یہ بات میں بالکل بھی نہیں مانوں گا۔"

باہر مکمل اندھیرا تھا لیکن اکثر گھروں کے بیرونی گیٹ پر لگے بلب روشن تھے اور ساتھ تمام گھروں کا کوئی نہ کوئی کمرہ بھی روشن دکھائی دے رہا تھا جس کا ثبوت تھا کہ مکین سحری کرنے کے لیے جاگے ہوئے ہیں۔

"بھائی صاحب آپ خدارا بات سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔"

"لیکن یہ تو سیدھی سادی بات ہے۔ بس اس میں نا سمجھی کی تو بات ہی کوئی نہیں۔" مجھے لگا وہ کچھ چھپا رہی ہیں اور میرا خدشہ درست بھی تھا۔

"وہ دراصل ہم اپنی بیٹی کو جہیز نہیں دے رہے۔ اس کے سسرال والوں سے یہی کہا ہے کہ ہمارے بڑوں نے بیٹیوں کو جہیز دینے کی رسم ختم کردی ہے ایسے میں اگر بہو سے جہیز لے لیں گے تو دنیا والوں اور اپنی بیٹی کے سسرال والوں کے سامنے تو ہمیں بہت سبکی ہوگی اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری عزت کا بھی خیال کریں اور علیزے کو جہیز کے نام پر کچھ نہ دیں اور نہ ہی بہت زیادہ زیور ہو۔۔۔۔ بس جتنا ہم اپنی بیٹی کو پہنا رہے ہیں اتنا ہی آپ بھی علیزے کے لیے بنوائیں تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔۔۔ یہ میری آپ سے درخواست ہے۔"

اب ظاہر ہے میں کیا کرتا۔ انہوں نے وجہ ہی ایسی بتادی تھی کہ اگر میں پھر بھی زور دے کر علیزے کے لیے زیور وغیرہ اپنی مرضی سے زیادہ بنواتا تو شادی سے پہلے ہی رنجش کا آغاز ہو جاتا اور یہی کہا جاتا کہ میں ان کی عزت کا خیال نہ کیا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ علیزے عروسی زیورات کی کس قدر شوقین ہے جھومر ٹیکا پہنے بغیر تو اسے دلہن، دلہن نہ لگا کرتی۔ اور میں نے اسے کہا تھا کہ سسرال والے تو جو زیور بنوائیں وہ ان کی مرضی ہے لیکن میں خود تمہارے لیے جھومر بھی بنواؤں گا، ٹیکا بھی گلوبند بھی یہاں تک کہ پازیب بھی۔۔۔

میں اس کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہنے دینا چاہتا تھا اور ویسے بھی میں نے اگر تمام عمر کمایا تھا اور اب تک کما رہا ہوں تو یہ سب کس لیے؟ اور علیزے کے سوا میں نے یہ سب دینا بھی کسے ہے؟ لیکن ان کی بات نے میرا دل بوجھل کردیا تھا۔

اسی دوران علیزے کچن میں داخل ہوگئی۔ ہم دونوں نے مل کر سحری کی چیزیں میز پر رکھیں۔ اس دن میں نے صرف پانی پی کر روزہ رکھا تھا۔ دل پر ایسا بوجھ پڑا کہ کچھ کھانے کو دل ہی نہ چاہا علیزے کو میں نے جان بوجھ کر سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد ان کے فون کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے کی بشاشت کو منجمد ہوتے میں نے خود دیکھا۔ لیکن پھر صرف چند ہی لمحوں بعد وہ مسکرائی۔

"دراصل میں خود بھی آپ سے یہی کہنا چاہتی تھی۔"

"کیا کہنا چاہتی تھیں تم؟" میں نے اس کے تاثرات کھوجے۔

"یہی کہ اتنا زیادہ زیور پہنے دیکھ کر سخت گھبراہٹ ہونے لگتی ہے مجھے اس لیے میرے لیے بہت کم اور ہلکا سا زیور بنوایئے گا۔"

"لیکن تمہیں تو جھومر، ٹیکا وہ بڑی والی نوز رنگ۔۔۔۔"

"نہیں نہیں بالکل بھی نہیں، بندہ بہت اولڈ ڈیٹڈ محسوس ہوتا ہے ان سب چیزوں میں۔۔۔ اور ویسے بھی آج کل یہ سب چیزیں بالکل بھی فیشن میں نہیں ہیں۔"

وہ بڑی مہارت سے بات بنا رہی تھی لیکن میں اس کی ان کوششوں کا مقصد سمجھ رہا تھا اور مجھے اس کے چہرے میں آمنہ کا چہرہ نظر آنے لگا تھا۔ میں سسر صاحب کے مقابلے میں ایک نہایت کم آمدن والا شخص تھا۔ ابا سے کبھی بھی خرچے کے نام پر کچھ نہ لیتا۔ یہاں تک کہ شادی کے موقعے پر بھی اپنی تمام تر جمع پونجی ان کے سامنے حاضر کردی کہ اس میں باقی ماندہ رقم ملا کر فرائض سرانجام دے دیجیے۔ اور ابا نے اماں کی طرف دیکھ کر مجھے بے حد دعاؤں سے نوازا تھا۔

مجھے احساس تھا کہ ان پر دوسرے بہن بھائیوں کی بھی ذمہ داریاں ہیں لہٰذا بھی ان سے ایک پیسہ نہ مانگتا البتہ اکثر اپنی تنخواہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے انہیں منی آرڈر کر دیتا جب تک کہ میرے باقی بہن بھائی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل نہ ہوئے۔ اور شادی کے بعد جب آمنہ کو میکے والی عادتوں کے مطابق میں کچھ مہیا نہ کر پاتا تو میری شرمندگی مٹانے کے لیے وہ بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کی عادی تھی۔

"اور یہ تو آپ کو بھی پتا ہے نا کہ جہیز ہمارے معاشرے میں ایک لعنت بن چکا ہے ایسے میں اگر وہ اس لعنت کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان کا ساتھ دینا چاہیے۔" اس مرتبہ وہ پھر اپنی کی گئی باتوں اور ارادے سے پیچھے ہٹ رہی تھی کیونکہ رات ہی تو وہ کہہ رہی تھی کہ اپنا بیڈ روم اپنی پسند کے فرنیچر سے سجانا چاہتی ہے اور اب۔۔۔

اس کی زندگی میں آنے والا معمولی سہی لیکن پہلا سمجھوتا تھا جو کم از کم میرے لیے معمولی نہ تھا۔ علیزے کی آج تک کی زندگی میں 'میں نے اس کی کوئی خواہش ادھوری نہ رہنے دی تھی کہ میری تو زندگی کا محور و مقصد ہی وہ تھی۔ لہٰذا آج اسے یوں ایک دم اپنی خواہشوں سے دستبردار ہوتے دیکھا تو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ لیکن علیزے کے چہرے پر کوئی دکھی تاثر نہ تھا بلکہ وہ مسکرا رہی تھی اور ساتھ ساتھ مجھے سمجھا رہی تھی کہ مجھے احساس ہوا خواب تو اس کے ٹوٹے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں اسے سمجھاؤں وہ مجھے سمجھا رہی ہے۔ لہٰذا خود کو سنبھالا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانے لگا۔

اس دوران میں نے سوچ لیا تھا کہ جہیز نہ سہی لیکن میں علیزے کو ایک چیک میں اپنا تمام بینک بیلنس لکھ کر دے دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی جس گھر میں' میں رہائش پذیر تھا وہ بھی اس کے نام کرنے کا ارادہ کر لیا۔

جہیز تو دینا نہیں تھا۔ اس لیے ہمارے روز روز مارکیٹ کے چکروں کو ایک دم بریک لگ گیا لیکن چونکہ عید کی قریب تھی اس لیے ہمیشہ کی طرح علیزے کو یہ بے چینی ضرور تھی کہ اس مرتبہ عیدی کے ساتھ اسے کیا گفٹ ملنے والا ہے۔ چلتے پھرتے مجھے یاد دلاتی اور میں جان بوجھ کر سنی ان سنی کر دیتا۔

عید قریب آئی تو اس کی ہونے والی ساس اس کی عیدی کے طور پر کپڑے جوتے مٹھائی وغیرہ کے ساتھ ایک انگوٹھی پہنا گئیں۔ میں عید کی تیاریوں کے معاملے میں ہمیشہ کاست ہوں۔ علیزے نے ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی جانے کب کپڑا خریدا اور کب درزی کو دیا۔ مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ چاند رات کو وہ استری شدہ میرا نیا جوڑا لے کر آئی اور وارڈ روب میں ہینگر میں لٹکا کر میری سائڈ ٹیبل پر ٹوپی رومال اور جرابیں رکھ دیں۔

"یہ کپڑے میں نے اسی طرح لیے اور سلوائے ہیں جیسے آپ میری سالگرہ اور عید کا گفٹ لیتے ہیں اور مجھے کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دیتے۔" وہ مسکرائی۔

عید کی نماز کے بعد میں نے اسے عیدی دی اور پھر اپنی الماری سے ایک پیکٹ اٹھا کر اسے پیش کر دیا۔

"اس نے بڑی ہی خوشی سے وہ پیکٹ کھولا۔ مگر اندر موجود کاغذات دیکھ کر وہ کبھی حیرت سے مجھے دیکھتی اور کبھی ان کاغذات کو وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی سو میں خود بولا۔

"بیٹا' میں چاہتا تھا کہ تمہیں تمہاری زندگی کے اس نئے سفر پر دنیا کی ایک سے ایک بہترین چیز لا کر پیش کروں اور اب جب کہ تمہارے سسرال والوں نے کسی بھی قسم کا جہیز لینے سے منع کیا ہے تو میں نے اپنی آج تک کی جتنی بھی جمع پونجی تھی وہ تمہارے نام کر دی ہے۔ بنک میں موجود جتنی بھی رقم ہے وہ آج سے تم پر حلال اور مجھ پر حرام ہے۔ میری زندگی اور ضروریات کے لیے میری تنخواہ اور اس کے بعد ملنے والی پنشن بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے یہ گھر جس میں ہم دونوں نے اپنی زندگی کے خوب صورت ترین لمحات گزارے۔ میں نے تمہارے نام کروا دیا ہے اب یہ

تمہاری ملکیت ہے۔"

"لیکن بابا۔۔۔" وہ اب تک حیران تھی اور یقینی طور پر اسے امید نہیں تھی کہ میں یہ سب کروں گا۔

"تمہارے نانا کا گھر جو انہوں نے آمنہ کے نام کیا تھا وہ بھی میں تمہارے نام منتقل کر چکا ہوں۔ نہ ان کا آمنہ کے سوا دنیا میں کوئی تھا اور نہ ہی میرا کوئی ہے جو اس تمام پراپرٹی کا صحیح حق دار ہو۔"

"بابا وہ لوگ انجان ہیں، کل کو اگر کچھ ہوا تو۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ اگر ان لوگوں کے ذہن میں لالچ آ گئی یا کچھ بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے کچھ بھی ہو سکتا ہے نا۔"

میں جو اب تک اسے بھولا بھالا سمجھتا تھا آج اندازہ ہو رہا تھا کہ دنیا کی سمجھ بوجھ مجھ سے بھی زیادہ اسے تھی اور یہ بات جو میرے گمان سے بھی نہیں گزری تھی وہ اس کے ذہن میں پل رہی تھی اسی لیے اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی مجھے بہت کچھ ہو سکنے کا اشارہ دیا تو مجھے اپنے جسم میں کپکپاہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ پھر بولی۔

"بابا مجھے ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ آپ کو صحت والی لمبی عمر دے۔ آپ نے کیوں یہ سب کیا؟ ایک مرتبہ مجھ سے پوچھ تو لیتے نا اور پھر اگر آپ نے یہ فیصلہ کیا ہی ہے تب بھی یہ سب کاغذات اپنے پاس ہی رہنے دیں اور میرا خیال ہے کسی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے سب کچھ میرے نام کر دیا ہے۔ بس یوں سمجھیں کہ آپ نے دیا اور میں نے لے لیا۔" میں اس کے الفاظ کے پیچھے چھپے مفہوم کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ لہٰذا اس کے سامنے تائید میں گردن ہلا دی۔

مجھے یقین تھا کہ یہ محض اس کے خدشات ہیں کیونکہ ہادی اور اس کے گھر والے بہت محبت کرنے والے لوگ تھے اور گو کہ علیزے نے مجھے کہا نہیں تھا لیکن اس کی پسندیدگی کا مجھے بھی بخوبی اندازہ تھا۔ کہ میں اس کی ماں نہیں تھا لیکن باپ ہونے کے باوجود اسے ماں بن کر ہی پالا تھا۔ اس کے مزاج کے سبھی موسموں سے بھی میں واقف تھا۔ ہادی کی ماں نے مجھ سے اجازت لے کر پہلی مرتبہ ہادی اور علیزے کو ساتھ لیا اور بری کی شاپنگ کی۔ علیزے اس دن واپس آئی تو اس کا چہرہ چمک رہا تھا ایسی ملاحت اور چمک میں نے آج تک اس کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی۔ اور اس کا یہ تاثر خود میرے لیے بھی ایک خوب صورت احساس تھا۔ جبھی یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے دل بوجھل تو تھا لیکن پریشان نہیں تھا۔

شادی کے دن قریب آئے تو اس کی کزنز نے گھر میں ڈیرا ڈال لیا۔

میں بھی اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش تھا کہ تمام رسموں کے انتظامات انہوں نے اس طرح سنبھالے کہ خود مجھے خبر تک نہ ہوئی۔

علیزے کی ان دنوں عجیب کیفیت تھی، ہنستے مسکراتے ہوئے بھی مجھے دیکھ لیتی تو آنکھیں بھگو لیتی اور میں ذرا سا قریب بیٹھتا تو چھم چھم آنکھیں برسنے لگتیں۔ اور رخصتی پر آمنہ ہی کی طرح اپنے میک اپ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مجھ سے لپٹ کر ایسی روئی کہ سب کی آنکھیں نم کر گئی اور میں جو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ شاید پرانے زمانوں کی روایت تھی کہ لڑکیاں الوداع ہوتے ہوئے روتی ہیں یہ صرف میری خام خیالی ہی ثابت ہوئی۔

اور یوں وہ مجھے رلا کر اور خود روتے ہوئے ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں جا پہنچی۔ جہاں مزاج نئے، ماحول نیا، لوگ نئے، میں اس کے لیے چلتا پھرتا دعائیں کرتا رہتا پہلے تو آفس سے آنے کے بعد علیزے میری منتظر ہوتی لیکن اب خالی گھر سائیں سائیں کرتا ہوا ملتا۔

ایسے میں میری توجہ نماز کی طرف ہوئی میں نماز پڑھتا اور سجدوں میں اپنی بیٹی کے اچھے نصیب کی دعائیں مانگا کرتا۔

علیزے شادی سے ایک رات پہلے مجھے لمبی چوڑی ہدایات کر کے گئی تھی۔ اتفاق کی بات تو یہ ہے کہ ان میں اکثر پر میں عمل نہیں کرتا تھا۔ اس لیے کہ ان میں سے اکثر ہدایات میری صحت وغیرہ کے متعلق تھیں اور میں ٹھہرا اپنی ذات سے لاپروا اور کچھ سست سا

بندہ.... شروع کے ایک دو ویک اینڈز پر وہ اور ہادی ملنے آئے تو یہیں رک گئے۔ علیزے نے ہفتے بھر کے کھانے بنا کر میری وارڈ روب وغیرہ بھی سیٹ کر دی تھی۔ لیکن اس کے بعد ہادی کی کچھ مصروفیات کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوا تو علیزے نے بہت ضد کی اور ہادی کا بھی اصرار تھا کہ میں ویک اینڈ ان کی طرف گزاروں لیکن یہ مجھے مناسب نہ لگا اور بڑے معقول لفظوں میں معذرت کرلی۔

میرے لیے کیا یہ احساس کم تھا کہ میری بیٹی میری علیزے اپنے گھر میں خوش ہے۔

بیاہی بیٹیاں اپنے گھر میں سکھی ہوں تو والدین کی صحت قابل رشک اور عمر دگنی محسوس ہوتی ہے۔

دوسری صورت میں مثل مشہور ہے کہ کنواری کھائیں روٹیاں اور بیاہی کھائیں بوٹیاں اور یہ سچ ہی تو ہے کہ والدین کو بیاہی بیٹیوں کی تکلیفیں پتا چلیں تو ان کے تن سے ماس غائب ہونے لگتا ہے اور جسم پر بوٹیوں کی جگہ ہڈیاں لینے لگتی ہیں۔

ویسے بھی علیزے، آمنہ کی طرح امور خانہ داری سے نابلد نہیں تھی بلکہ میرے منع کرنے کے باوجود اپنے شوق سے تمام تر کھانا پکانا سیکھ چکی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے بتایا تھا کہ سسرال میں سب کو اس کے ہاتھ کے کھانوں کا ایسا چسکا لگ گیا ہے کہ پہلے تین وقت کا کھانا ساس بناتی تھیں اور اب صبح پراٹھوں سے لے کر رات کے کھانے کے بعد حسب پسند چائے کافی بھی علیزے ہی بناتی ہے۔

میں بہت خوش تھا کہ اس نے اپنے بہترین انداز میں گھر والوں کے دل میں جگہ بنالی ہے۔ میں سوچتا اپنی بیوی کے ہاتھ کے پکے کھانوں کی تعریفیں سن کر خود ہادی کتنا خوش ہوتا ہوگا۔ اسی لیے جب علیزے کی نند ہنی مون پر نہیں جا سکی تھی تو ہادی نے علیزے سے درخواست کی تھی کہ اگر ہم دونوں ہنی مون پر جائیں گے تو شاید اس کی بہن فیل کرے اس لیے اگر اسے اعتراض نہ ہو تو ہم فی الحال ہنی مون پر جانا ملتوی کردیں؟

اور علیزے نے مجھے بتایا کہ وہ اسی وقت مان گئی تھی جس پر ہادی نے کہا کہ مجھے تم جیسی بیوی ملنے پر فخر ہے۔ علیزے مجھے یہ سب باتیں اسی طرح بتایا کرتی جیسے لڑکیاں شادی کے بعد اپنی ماں کو چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی ہیں۔

اس دن وہ ہادی سے اجازت لے کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔

وہ بہت خوش تھی۔ نہ صرف ہادی بلکہ اس کے ساس سسر نے بھی اسے پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا بلکہ اس کی ساس تو اسے اپنی بیٹی کی جگہ دیتیں۔

"بابا" آنٹی مہمانوں کے سامنے آپ کی تربیت اور پھر میری اتنی تعریفیں کرتی ہیں کہ یقین کریں مجھے اپنے منہ پر ہوتی تعریفیں سن کر شرمندگی ہونے لگتی ہے.... جو بھی چیز وہ اپنی بیٹی کے لیے خریدتی ہیں نا بالکل وہی اور اسی جگہ سے میرے لیے بھی خریدتی ہیں.... ہادی کو اگر کبھی ٹائم نہ ملے تو انہیں ڈانٹتی ہیں کہ تم علیزے کو باہر کیوں نہیں لے کر گئے؟ کبھی کہیں گی کہ ہادی جاؤ تم اور علیزے آج باہر کھانا کھا کر آؤ اور پھر ان کی خاص ہدایت یہ بھی ہوتی ہے کہ واپسی پر مجھے دکھانا کہ ہادی نے تمہیں موتیے کے گجرے بھی لے کر دیے کہ نہیں؟" یہ سب باتیں کرتے ہوئے وہ ہنستی جاتی اور کبھی تو خوشی سے اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں تو میرے گلے لگ جاتی اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔

"بابا" وہ سب جتنے بھی اچھے ہوں.... لیکن ان کی محبت کا ایک فیصد بھی آپ کی کمی کا احساس ختم نہیں کر سکتا.... جب میں ان سب کو اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہوئے دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں میرے بابا تو اس وقت اکیلے بیٹھے ہوں گے۔ اب تو میں بھی ان کے پاس نہیں ہوں، وہ حالات حاضرہ کے پروگرامز سیاسی حالات کس سے ڈسکس کرتے ہوں گے؟ جب وہ سب کھانا کھاتے ہیں نا تل کر.... تب بھی مجھے آپ کی یاد آتی ہے کہ ان کو تو میں گرم سالن اور تازہ بنی ہوئی روٹیاں پیش کر رہی ہوں لیکن میرے بابا اس وقت آفس سے آکر فریج کا ٹھنڈا سالن تازہ کرنے میں لگے ہوں گے

"...... آپ یقین کریں بابا' رات کو سوتے میں بھی کبھی آنکھ کھل جائے نا تو تمام رات آپ کی یاد میں گزر جاتی ہے......"

آنسوؤں کی شدت اسے مزید بولنے سے روک دیتی اور بھلا میں کیسے یقین نہ کرتا کہ میں تو خود ہر پل اسے یاد کرتا رہتا تھا۔ لیکن قدرت کے نظام کا پابند تھا لہٰذا خود کو دانستہ تسلی دے لیا کرتا اور اس کے سامنے کبھی بھی خود کو کمزور نہ پڑنے دیتا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت ہی حساس دل کی مالک ہے' اگر میں اس کے سامنے افسردہ ہوا تو وہ اپنے گھر میں بالکل بھی دل نہیں لگا پائے گی۔ اسی لیے میں نے اسے ٹشو پیپر دیا اور اس کے آنسو صاف کرلینے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے لگا۔

لیکن اس کے ہاتھ بڑے ہی کھردرے سے محسوس ہوئے۔ میں نے اس کے ہاتھ کی پشت اور ہتھیلی دیکھی تو مجھے لگا کہ اس کے ہاتھوں کی ساخت میں پختگی آنے لگی ہے۔ اس کے ہاتھ بتا رہے تھے کہ یہ کام کرنے والے ہاتھ ہیں' پہلے کی طرح بالکل بھی نہیں تھے۔ میرے دل کو پہلے پہل تو جیسے ایک دھکا سا لگا اور میں نے سوچا کہ میری بیٹی اتنے کام کرتی ہے اور اتنے لوگوں کو سنبھالتی ہے' لیکن اگلے ہی لمحے میں نے خود کو سمجھایا کہ صرف میری ہی نہیں بلکہ سب کی بیٹیاں سسرال جاتی ہیں تو تخت پر بیٹھ کر نہیں کھاتیں بلکہ انہیں کام کرنا ہی پڑتے ہیں اور اگر ہمارے گھر میں بھی میرے اور علیزے کے علاوہ تین چار لوگ رہتے تو بھی اسے کام کرنا ہی پڑتے۔

وہ باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اس کی باتیں سننے کے دوران لوشن لاکر اسے دیا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ابھی پرسوں آنٹی کے ساتھ جاکر مینی کیور کرواکر آئی ہوں...... بس آتے ہوئے آپ سے ملنے کی خوشی ایسی تھی کہ یاد ہی نہیں رہا۔"

اپنے سے پہلے اس نے میرے ہاتھوں پر لوشن لگایا اور پھر باتیں کرنے کے دوران اپنے ہاتھوں پر مساج کرنے لگی۔ اسی دوران ہادی کے آنے کا وقت قریب ہو چلا تھا۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے فرض نبھانا چاہا اور کہا کہ بیٹیاں وہی اچھی ہوتی ہیں جو سسرال کو بھی میکا سمجھ کر رہیں اور اسے اپنا بنائیں۔

"نہیں بابا' جو لڑکیاں سسرال کو میکا سمجھتی ہیں وہ کبھی بھی اپنی شادی شدہ زندگی میں کامیاب نہیں ہو پاتیں۔"

میں نے اسے دیکھا وہ ہادی کے آنے سے پہلے تیار ہوتے ہوئے بال بنا رہی تھی۔

"میکے میں بندہ اپنی مرضی سے سوتا جاگتا ہے آتا جاتا ہے۔ اگر سسرال میں بھی ایسا کریں تو پھر آپ سوچیں ہر وقت جھگڑے ہی ہوں کہ بھئی یہ لڑکی تو اپنی مرضی کرتی ہے۔" وہ ہنسی۔ میں بھی اس کی بات کی تائید میں سرہلانے لگا۔

"اس لیے سسرال کو سسرال سمجھ کر رہنا چاہیے۔ سسرالیوں کے دلوں میں زندہ رہنا ہو تو اپنے اندر مرنا پڑتا ہے ایک بار نہیں کئی بار...... اور پھر بھی اگر قدر کرلی جائے نا تو بڑی قسمت کی بات ہے ورنہ اپنا اپنا نصیب۔" اس نے مسکراتے ہوئے لپ اسٹک لگائی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ اس قدر سمجھ دار اور میچور ہے۔

مجھے یاد ہے جب آمنہ بھی بیٹی کی خواہش کرنے لگی تو میں نے پوچھا کوئی ایک ایسی بات بتاؤ جس سے معلوم ہو کہ واقعی بیٹی کا والدین ہونا کس قدر سکون کا باعث بنتا ہے؟

وہ بڑی ہی خوب صورتی سے مسکرائی اور بولی۔

"بیٹی ہر کوئی اور بیٹا کوئی کوئی...... یا یوں کہوں کہ بیٹا بیاہ تک اور بیٹی آخری آہ تک۔" اس نے خود سے ہی ساری کہاوت بنا ڈالی تھی۔

جس طرح بیٹیاں ماں باپ کا احساس کرتی ہیں ان کے دکھ سکھ بانٹتی ہیں' بیٹے نہیں بانٹ پاتے۔

آج احساس ہو رہا تھا کہ آمنہ سچ کہا کرتی تھی۔

شادی ہوتے ہی علیزے اتنی میچور ہو گئی تھی کہ اکثر معاملات میں مجھے سمجھایا کرتی اور بالکل ٹھیک طریقے سے بہترین انداز میں سمجھاتی۔

چند مہینے اور اسی طرح گزر گئے۔ میں کبھی کبھار چکر لگالیا کرتا تھا اور نہ ہادی اسے خود لے آتا البتہ میں جانے سے پہلے فون ضرور کرلیتا تھا کیونکہ وہ لوگ گھومنے پھرنے کے شوقین تھے اور ڈنر تو اکثر اوقات ہی باہر کیا کرتے کہ اگر میں دس مرتبہ' علیزے کے گھر جانے کے لیے اطلاع کی غرض سے اسے فون کرتا تو کم و بیش چھ سات مرتبہ وہ مجھے آنے سے منع کردیتی اور کہتی "بابا' آج نہ آئیں' ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

اور میرا بھی ارادہ ہوتا کہ ہادی کی موجودگی میں ہی جاؤں تاکہ اس سے بھی کچھ گپ شپ ہو جائے اس لیے پھر خیال ترک کردیتا۔ اور چند دن بعد وہ خود ہی ملنے آجاتی۔

پھر میں نے نوٹ کیا کہ اس کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی۔ رمضان المبارک کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں کے نیچے ہلکے سے براؤن رنگ کے نشانات نظر آنے لگے۔ ملنے کے لیے آتی تو پہلے کی طرح ہشاش بشاش بھی نظر نہ آتی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کا وزن بھی پہلے کی نسبت کم ہو چکا ہے۔ اس سے پوچھا تو ہنس کے روزوں کا بہانہ کرکے ٹال گئی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کریدتا مجھے خیال آیا علیزے کی پیدائش پر آمنہ کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی اسی طرح آنکھوں کے نیچے حلقے' کمزور جسم اور انتہا کی سستی!

اور تب میں نے علیزے کے چہرے پر تھکن کے تاثرات کو دیکھا تو فوراً" اس کے ہاتھ سے پتی کا ڈبا لے کر چائے بنانے سے روک دیا۔ وہ حیران پریشان کھڑے مجھے دیکھے جارہی تھی اور میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ دل چاہتا اسے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر گول گھما دوں' اچھلوں' کودوں ناچوں گاؤں۔۔۔ جس خوشی کے لیے میں اور آمنہ کئی سال ترسے تھے وہ ایک سال سے بھی کم عرصے میں علیزے کو ملنے والی تھی میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور دل ہی دل میں خود کو ڈانٹا بھی کہ اب ہر بات باپ سے نہیں کرنے والی ہوتی۔۔۔ اور وہ تو شکر ہے کہ مجھے وقت پر عقل آگئی اور میں خواہ مخواہ کرید کر اسے پریشان نہیں کرتا رہا۔۔۔ ورنہ وہ کتنی جزبز ہوتی اور تب میں نے سوچا کہ اس حالت میں ایک تو وہ روزے رکھ رہی ہے پھر گھر والوں کے لیے کھانا پکانا بھی اور پھر میرے پاس آنے کی ذمہ داری بھی۔۔۔ ایسے میں وہ کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔

لہٰذا میں نے اسے کہا کہ "اب جب تک رمضان المبارک کا مہینہ ہے وہ اتنی سخت گرمی میں نہ آئے بلکہ میں خود اس سے ملنے آجایا کروں گا۔" پہلے تو وہ اتنی گرمی میں میرے اتنی دور آنے پر راضی نہ ہوئی لیکن پھر میرے سمجھانے پر مان گئی۔

وہ اوائل روزے تھے جب وہ آخری مرتبہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ پھر اس دن تقریباً" پندرھواں روزہ تھا جب میں نے اسے فون کرکے اپنے آنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے معذرت کرلی اور بتایا کہ "بابا۔۔۔ آج نہ آئیں' ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہادی اور اس کے ماں باپ علیزے کا کس قدر خیال رکھ رہے ہیں۔ اور گو کہ مجھے یہ بات کسی نے نہیں بتائی تھی کہ میں نانا بننے والا ہوں لیکن پھر بھی سوچا باہر نکلنے کا موڈ تو بنا ہوا ہے کیوں نا شاپنگ کی جائے۔ سو اس دن علیزے کے لیے عید کے کپڑے وغیرہ خریدے چوڑیاں ہینڈ بیگ اور اس سب کے ساتھ میرے ہونے والے نواسے یا نواسی کے کپڑے بھی اور میں نے ایک دم ہی چھکا مارا تھا کہ پہلی بات تو یہ کہ علیزے کے لیے اکیلے اتنی شاپنگ کی اور پھر صرف اس کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کے ہونے والے بچے کے لیے بھی کر ڈالی۔ جس کے بارے میں مجھے یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ کتنے ماہ بعد اس دنیا میں آئے گا۔

گھر لاکر خوب صورت ڈبوں میں پیک ان تمام اشیاء کو ارینج کیا اور ساتھ ہی وہ لفافہ جو میں نے علیزے کو شادی کے وقت دیا تھا وہ بھی رکھ دیا۔ پھر خیال آیا کہ بچے کی شاپنگ ابھی سے لے جانے کی بھلا کیا ضرورت' پتا نہیں علیزے نے میری طرح ساس سسر کو بھی لا علم رکھا ہو تو کتنی سبکی ہوگی نہ صرف میری بلکہ

علیزے اور ہادی کی بھی اور بتا نہیں میرا اندازہ درست ہے بھی کہ نہیں۔۔۔۔ لیکن پھر تسلی دی کہ میرا اندازہ کسی طور غلط نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بچے کی کی گئی شاپنگ دوبارہ سنبھال کر رکھی اور علیزے کے تحائف لے کر آخری روزوں میں علیزے کو سرپرائز دینے کی نیت سے بغیر بتائے اس کے گھر جا پہنچا۔ سسر صاحب بھی جب تک زندہ رہے آخری روزوں میں آمنہ کی عیدی لے کر ضرور آیا کرتے۔ مجھے ان رسم و رواج کا اتنا معلوم نہیں تھا لہٰذا ایک مرتبہ یونہی کہہ دیا۔

"آپ خواہ مخواہ اتنی تکلیف کرتے ہیں ورنہ یہ سویاں، چاول، چینی، میوے اور باقی سب لوازمات اللہ کے کرم اور آپ کی دعا سے گھر میں موجود ہیں۔"

"بیٹے بات ان سویوں، چاولوں یا چینی کی نہیں ہوتی۔۔۔ یا بات عیدی کے نام پر میکے سے آنے والے چند روپوں کی نہیں ہوتی بلکہ بات ہوتی ہے اس آس کی جو بیٹیوں کو ان خاص تہواروں پر میکے سے ہوتی ہے' انہیں انتظار ہوتا ہے کہ ان کے بھائی یا ماں باپ ان کے اتنے دور چلے جانے پر بھی انہیں خاص مواقعوں پر یاد رکھیں۔۔۔ اور جن بیٹیوں کو عید یا تہواروں پر میکے میں یاد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو میٹھا بناتے ہوئے وہ اپنے نمکین آنسوؤں کو ظاہر نہ کرنے کی تگ و دو میں اس قدر ہلکان ہوتی ہیں کہ جذبات سے چہرے سرخ ہو جاتے ہیں۔ جسے دنیا والے چولہے کی تمازت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ دراصل میکے کی یاد کی ہوتی ہے۔"

سسر محترم کی باتوں کو یاد کرتا میں بھی' چاول چینی تو نہیں لیکن آج کے دور کے حساب سے مختلف لوازمات لے کر علیزے کے گھر پہنچا تھا۔

نظروں میں اس کی وہی ہنستی مسکراتی شکل اور حیران آنکھیں تھیں جو وہ ہمیشہ سرپرائز ملنے کے بعد بنایا کرتی تھی۔ آج پہلی مرتبہ اس کے سسرال بغیر بتائے جا رہا تھا لہٰذا آج تو اس کی خوشی دیدنی ہو گی۔ ڈیش بورڈ سے گھر کی رجسٹری و چیک وغیرہ والا لفافہ اٹھا کر شاپر میں ڈالا گو کہ علیزے نے مجھے شادی سے پہلے منع کیا تھا۔ میں یہ لفافہ اپنے پاس رکھوں لیکن اس کی امانت میرا خیال ہے اس کے پاس ہی رہے کہ زندگی کا کیا اعتبار۔۔۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کہہ دوں گا کہ اپنے کمرے میں الگ سے رکھ لے یا ہادی کو اعتماد میں لوں گا۔ میں نے یہ سب سوچتے ہوئے ایک بار پھر خیال بدلا کہ کہیں علیزے برا نہ مان جائے کہ جب اس نے منع کیا تھا تو میں پھر بھی کیوں لایا لہٰذا لفافہ واپس گاڑی میں رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں شاپرز پھنسا کر کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔

کار پورچ کی طرف کھلتی کھڑکی کا پردہ سرکا ہوا تھا سامنے ہی علیزے اور ہادی نظر آئے تو میں نے فوراً سے سوچا شکر ہے آج دونوں گھر پر ہیں۔ لہٰذا آج تو افطار بھی یہیں کروں گا بلکہ تراویح پڑھ کر لوٹوں گا۔

اسی دوران اس کی ساس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

وہ علیزے کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ کام چور ست اور نکمی کہہ کر پکار رہی تھی۔ میرے قدم جہاں تھے وہیں رکے نہیں بلکہ جم گئے۔ یہ سب تو میری معلومات اور توقعات کے بالکل ہی برعکس تھا۔ تو کیا علیزے آج تک مجھ سے سسرال والوں کی جھوٹی تعریفیں کرتی رہی؟ کیا یہ وہ ساس تھی جو بقول علیزے اسے بیٹی بیٹی کہتے نہ تھکتی تھی؟ سب کے سامنے اس کی تعریفیں کرتی رہتی تھی؟ اور ہادی اپنی ماں کے سامنے چپ چاپ بیٹھا بیوی کی بے عزتی برداشت کر رہا ہے؟ اسی دوران انہوں نے علیزے کو بے اولاد ہونے کے طعنے دینا شروع کر دیے۔ کہ ان کی بیٹی تو اتنی بھاگوان ہے کہ اگلے ماہ ماں بننے والی ہے اور ان کی بہو منحوس ماری دو کپڑوں میں بیاہ کر لائے، نہ جہیز لیا نہ مراعات، لیکن پھر آج تک ان کو سکھ کا سانس نہیں ملا اور نہ ہی اب تک انہیں دادی بننے کی خوشخبری ملی۔

جواب میں علیزے کی آنسوؤں بھری آواز تھی۔ وہ اب تک کوئی خوش خبری نہ ہونے کو اللہ کی مرضی قرار دے رہی تھی۔ لیکن سسرال میں اس کی دلیل، فلسفہ، حکمت کچھ نہیں چلا، بلکہ اسے زیادہ پڑھا لکھا ہونے کا طعنہ سنا کر منہ بند کرنے کو کہا گیا۔

میں نے آخری بار ذرا سا سرک کر علیزے کو دیکھا۔

اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے ہارر فلم میں قتل ہونے سے پہلے کسی مظلوم کی ہوتی ہیں۔ میرے قدم بوجھل تھے ایسے جیسے جبری ہجرت کرنے والوں کے..... میں نے اندر جانے کے بجائے باہر جانے کا ارادہ کیا۔

شاید اس لیے کہ میں علیزے سے اس وقت نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ میں اس کا باپ ہوں اس کی خوشیوں کا مقدمہ میں ہی لڑوں گا لیکن شاید اس غیر متوقع افتاد کے لیے خود میں بھی تیار نہ تھا اور قسمت کے اس وار نے میری بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ میں بمشکل اپنی گاڑی تک پہنچا تحائف پہلے کی طرح پچھلی سیٹ پر رکھے اور ڈرائیونگ سیٹ پر نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔

لگتا تھا جیسے اپنی تمام عمر کی پونجی لٹا دی ہو۔ دل چاہتا تھا اس وقت آمنہ میرے ساتھ ہوتی اور میں اور وہ مل کر اس دکھ کا رونا روتے، آمنہ کی یاد زندگی کے کون سے مقام پر مجھے نہیں آتی تھی۔ لیکن جس شدت سے آج اس کی کمی محسوس ہوئی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے علیزے کی آواز سننے کا جی چاہا۔ سوچا پھر سے واپس پلٹوں اور اس کے گھر چلا جاؤں۔ فون کیا تو علیزے نے آدھی بیل پر ہی اٹھا لیا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے گھر آ رہا ہوں لیکن اس نے فوراً میری بات کاٹی اور بولی۔

"بابا آج نہ آئیں۔ ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

میں نے بھیگی آنکھوں سے وقت دیکھا، افطار ہونے میں مشکل سے آدھ گھنٹا تھا، غروب ہونے کے قریب سورج کی آخری اور مدھم شعاعوں میں میں نے علیزے کے گھر کو دیکھا جس کی چار دیواری میں میری بیٹی صرف مجھے خوش رکھنے کے لیے جانے کب سے اکیلے ہی دکھ جھیل رہی ہے، میں نے سوچا واقعی آمنہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ بیٹے بیاہ تک اور بیٹیاں آخری آہ تک۔ بیٹیاں آخری سانس تک والدین کو خوش رکھنے کے لیے خود دکھ برداشت کرتی ہیں اور اسی روز مجھے یقین ہوا کہ عید ہر آنگن میں اترتی ضرور ہے لیکن ہر آنگن میں منائی نہیں جاتی۔

کچھ بیٹیوں کی عید ایسی بھی ہوتی ہے۔

☼ ☼